ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3923

Program: BS Islamic Studies (Spec. Seerat Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مناقب وخدمات (3923) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص سیرت سٹڈیز)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1-4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1

سوال نمبر 1: قرآن کریم کی روشنی میں صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے پر جامع نوٹ تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ مقدس جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی صحبت، نصرت اور دین کی اشاعت کے لیے منتخب فرمایا۔ صحابی کی اصطلاحی تعریف محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ سے ملا ہو اور ایمان ہی پر اس کی وفات ہوئی ہو، وہ صحابی ہے۔ یہ جماعت امت اور وحی کے درمیان وہ پہلا اور مضبوط ترین واسطہ ہے جس کے ذریعے قرآن و سنت ہم تک پہنچے۔ اسی لیے یہ سوال بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں صحابہ کرام کا مقام کیا ہے اور انہیں "معیارِ حق" یعنی حق کی پہچان کا پیمانہ کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ اس جواب میں قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں اس موضوع کا جامع جائزہ پیش کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ یہاں دلائل بطور حوالہ و مفہوم پیش کیے جائیں گے اور آیات کے مفاہیم کا خلاصہ بیان کیا جائے گا، کیونکہ اصل نصوص کی طرف رجوع طالب علم کی اپنی ذمہ داری ہے۔

معیارِ حق ہونے کا مفہوم

معیارِ حق ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر صحابی انفرادی طور پر معصوم تھا یا اس سے کبھی کوئی لغزش نہیں ہوئی؛ اہلِ سنت کا متفقہ مؤقف یہ ہے کہ عصمت انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ معیارِ حق ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ بطورِ جماعت صحابہ کرام کی زندگی، ان کا فہمِ دین اور ان کا مجموعی طریقہ حق کی شناخت کے لیے معتبر ترین نمونہ ہے، کیونکہ انہوں نے دین کو براہِ راست صاحبِ وحی ﷺ سے سیکھا، قرآن کے نزول کے شاہد رہے اور اسبابِ نزول اور آیات کے پس منظر سے پوری طرح واقف تھے۔ جس مسئلے پر اس جماعت کا اجماع ہو جائے وہ یقینی حق ہے، اور کسی دینی مسئلے کی تحقیق میں ان کے فہم کو چھوڑ کر آگے بڑھنا علماء کے نزدیک درست روش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء و محدثین نے صحابہ کے اقوال و آثار کو شریعت کی تفہیم میں بلند مقام دیا ہے۔

قرآن کریم میں صحابہ کی رضا و قبولیت کا اعلان

قرآن کریم نے صحابہ کرام کے بارے میں جو سب سے بڑا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا اعلان ہے۔ سورۃ التوبہ (9:100) میں مہاجرین و انصار میں سبقت کرنے والوں اور احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں مفہوماً ارشاد ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جس جماعت کے لیے خود خالق کائنات اپنی رضا اور جنت کا اعلان فرما دے، اس کی صداقت و حقانیت میں کسی شبے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح سورۃ الفتح (48:18) میں بیعتِ رضوان کے موقع پر درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے اللہ کی رضا کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ اللہ کو ان کے دلوں کی کیفیت معلوم تھی، چنانچہ اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ یہ آیات ثابت کرتی ہیں کہ صحابہ کے ایمان کی تصدیق انسانی آراء پر نہیں بلکہ وحی پر مبنی ہے۔

بہترین امت اور گواہی کا منصب

سورۃ آلِ عمران (3:110) میں اس امت کو "بہترین امت" قرار دیا گیا ہے جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، نیکی کا حکم دیتی اور برائی سے روکتی ہے۔ اس خطاب کے اولین براہِ راست مخاطب صحابہ کرام ہیں، کیونکہ امت کی تشکیل ان ہی کے ذریعے ہوئی۔ اسی طرح سورۃ البقرہ (2:143) میں مفہوماً کہا گیا کہ ہم نے تمہیں درمیانی (بہترین و معتدل) امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنیں۔ یہ گواہی کا منصب اسی وقت معتبر ہو سکتا ہے جب گواہ خود عادل و صادق ہو۔ حق کا معیار بننے کا ایک اہم پہلو یہی ہے کہ قیامت کے دن دیگر امتوں کے بارے میں گواہی اسی جماعت کی بنیاد پر قبول ہو گی۔ لہٰذا جس جماعت کو قرآن نے نوعِ انسانی کے لیے گواہ مقرر کیا ہو، اسے معیارِ حق کہنا عین قرآنی تعبیر کی پیروی ہے۔

صحابہ کی صفات کا قرآنی بیان

سورۃ الفتح کی آخری آیت (48:29) میں صحابہ کرام کی نمایاں صفات بیان ہوئی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابل سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں؛ انہیں رکوع و سجدے میں اللہ کا فضل اور رضا تلاش کرتے دیکھا جاتا ہے؛ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کے

اثر سے ہے؛ اور ان کی مثال تورات و انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے، جیسے کھیتی پہلے کونپل نکالے پھر مضبوط ہو جائے۔ اس آیت میں ایمان، عبادت، اخلاص، باہمی محبت اور باطل کے مقابل استقامت، سب صفات یکجا بیان ہوئی ہیں۔ اسی طرح سورۃ الحشر (59:8–10) میں مہاجرین کو "صادق" اور انصار کو کامیاب قرار دیا گیا اور بعد میں آنے والوں کو یہ دعا سکھائی گئی کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے دل میں کوئی کینہ نہ رکھیں۔ یہ ترتیب خود اس بات کی دلیل ہے کہ بعد کی نسلوں کا تعلق صحابہ سے محبت و احترام کا ہونا چاہیے، تنقید و تنقیص کا نہیں۔

اہلِ ایمان کے راستے کی پیروی کا حکم

سورۃ النساء (4:115) میں مفہوماً وعید آئی ہے کہ جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے اسے اسی طرف پھیر دیا جائے گا جس طرف وہ خود پھرا۔ مفسرین نے یہاں "مومنوں کا راستہ" سے اولین طور پر صحابہ کرام کا راستہ مراد لیا ہے، کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت اہلِ ایمان کی جماعت وہی تھی۔ اس اصول سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے مجموعی طریقے سے انحراف گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن نے ایمان کا ایک معیار یہ بھی مقرر کیا کہ جب صحابہ جیسا ایمان لایا جائے تو ہدایت ملتی ہے؛ سورۃ البقرہ (2:137) کا مفہوم یہی ہے کہ اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم (صحابہ) ایمان لائے تو وہ ہدایت پا جائیں گے۔ یہ آیت صحابہ کے ایمان کو پوری امت کے لیے نمونہ و معیار قرار دیتی ہے۔

معیارِ حق ہونے کے عملی تقاضے

صحابہ کے معیارِ حق ہونے کے کئی عملی تقاضے ہیں۔ پہلا یہ کہ قرآن کی تفسیر میں ان کے اقوال کو اولین درجہ دیا جائے، کیونکہ وہ تنزیل کے شاہد تھے۔ دوسرا یہ کہ حدیث کی روایت میں ان کی عدالت مسلم ہو؛ محدثین کا اصول ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور ان کی روایت بلا بحث قبول ہے۔ تیسرا یہ کہ اجتہادی مسائل میں ان کے باہمی اختلاف کو بھی رحمت و وسعت کا سبب سمجھا جائے اور کسی ایک صحابی کی رائے پر دوسرے کی تحقیر نہ کی جائے۔ چوتھا یہ کہ ان کے بارے میں دل کو کینے سے پاک رکھا جائے، جیسا کہ سورۃ

الحشر کی دعا سکھاتی ہے۔ پانچواں یہ کہ تاریخی روایات کی جانچ میں بھی عدل و انصاف سے کام لیا جائے اور دشمنانِ دین کی پھیلائی ہوئی بے بنیاد باتوں کو ان کی پاکیزہ سیرت پر ترجیح نہ دی جائے۔

ایک ممکنہ اشکال اور اس کا جواب

بعض اوقات یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ صحابہ میں باہم اختلافات تھے، پھر وہ معیار کیسے ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے اختلافات اجتہادی نوعیت کے تھے جن میں ہر فریق حق کی تلاش میں تھا، اس لیے اہلِ علم کے نزدیک اجتہاد کرنے والا ماجور ہے۔ ان اختلافات کے باوجود ان کی مجموعی جماعت کی حقانیت، ان کے ایمان کی قرآنی تصدیق اور دین کی حفاظت و اشاعت میں ان کی لازوال خدمات اپنی جگہ مسلم ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن نے ان کے باہمی تعلق کو "آپس میں مہربان" کہہ کر بیان کیا ہے، اور تاریخ گواہ ہے کہ اختلاف کے ایام میں بھی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بنیادی احترام قائم رہا۔ لہٰذا جزئی واقعات کو بنیاد بنا کر پوری جماعت کی قرآنی فضیلت کو مشکوک بنانا علمی دیانت کے خلاف ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے صحابہ کرام کے لیے اللہ کی رضا، جنت کی بشارت، بہترین امت کا لقب، گواہی کا منصب اور صادق و کامیاب ہونے کی شہادت جیسی عظیم فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان کا ایمان بعد والوں کے لیے نمونہ، ان کا راستہ ہدایت کا نشان اور ان کی جماعت حق کی پہچان کا معیار قرار پائی۔ اس لیے طالب علم کے لیے روش یہی ہے کہ وہ صحابہ کرام سے محبت رکھے، ان کے فہمِ دین سے رہنمائی لے اور ان کے بارے میں اپنی زبان و قلم کو احترام کے دائرے میں رکھے۔ یہی قرآنی ہدایت کا تقاضا اور امت کے اجماعی مؤقف کی بنیاد ہے۔

سوال نمبر2

سوال نمبر2: اصحابِ حدیبیہ کے فضائل احادیث کی روشنی میں تفصیلاً تحریر کریں۔(20نمبر)

تعارف

اصحابِ حدیبیہ سے مراد وہ خوش نصیب صحابہ کرام ہیں جو6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرے کے قصد سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور قریش کے روکنے پر حدیبیہ کے مقام پر قیام کیا۔ان کی تعداد مشہور روایات کے مطابق تقریباً چودہ سو تھی۔یہیں وہ تاریخی بیعت ہوئی جسے بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے اور یہیں صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا جسے قرآن نے ”فتحِ مبین“ قرار دیا۔اس جماعت کے فضائل قرآن وحدیث میں خاص طور پر بیان ہوئے ہیں، کیونکہ اس موقع پر انہوں نے ایمان، اطاعت، صبر اور قربانی کا وہ مظاہرہ کیا جو رہتی دنیا تک مثال بن گیا۔اس جواب میں پہلے واقعے کا خلاصہ، پھر احادیث کی روشنی میں ان کے فضائل تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔احادیث کے مفاہیم خلاصے کے طور پر پیش کیے جائیں گے اور ہر مقام پر کتاب وباب کا حوالہ دیا جائے گا تاکہ طالب علم اصل ماخذ کی طرف رجوع کر سکے۔

واقعہ حدیبیہ کا مختصر پس منظر

ذیقعدہ6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے خواب کی بنیاد پر عمرے کا ارادہ فرمایا اور تقریباً چودہ سو صحابہ کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔قربانی کے جانور ساتھ تھے اور احرام باندھا گیا تاکہ واضح ہو کہ مقصد جنگ نہیں۔قریش نے راستہ روکا تو آپ ﷺ نے حدیبیہ میں پڑاؤ فرمایا۔سفارتوں کا تبادلہ ہوا؛ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا گیا اور افواہ پھیل گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے صحابہ سے موت تک ثابت قدم رہنے کی بیعت لی۔بعد میں معلوم ہوا کہ افواہ غلط تھی۔آخرکار سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہوا جس کی بعض شرائط بظاہر مسلمانوں کے حق میں سخت تھیں، مگر آپ ﷺ نے وحی کی رہنمائی میں اسے قبول فرمایا۔ واپسی کے راستے میں سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اس صلح کو کھلی فتح قرار دیا گیا۔

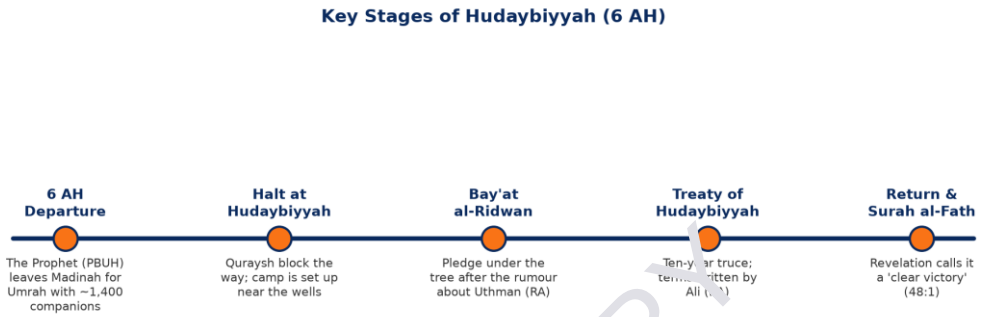

شکل:واقعہ حدیبیہ (۶ ہجری) کے اہم مراحل

جدول: حدیبیہ کے اہم واقعات کی ترتیب

مرحلہ	واقعہ	اہمیت
1	عمرے کے قصد سے روانگی	خلوصِ نیت اور امن کا اعلان
2	حدیبیہ میں پڑاؤ	صبر و انتظار کی آزمائش
3	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارت	مذاکرات کی کوشش
4	بیعتِ رضوان	اطاعت و قربانی کا عہد
5	صلح کا معاہدہ	دعوت کے لیے پُرامن ماحول
6	سورۃ الفتح کا نزول	فتحِ مبین کی بشارت

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

اللہ کی رضا کا اعلان — سب سے بڑا فضل

اصحابِ حدیبیہ کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ قرآن کریم نے بیعت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا صریح اعلان فرمایا (سورۃ الفتح 48:18)۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے لیے اللہ کی رضا کا اعلان ہو جائے اس کے لیے خاتمہ بالخیر کی سب سے مضبوط سند یہی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی جہنم میں داخل نہیں ہو گا (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ)۔ یاد رہے کہ یہ فضیلت اسی عملِ اطاعت و قربانی کی وجہ سے ملی جو انہوں نے اس نازک موقع پر ظاہر کیا۔ اسی طرح سورۃ الفتح میں ان کے دلوں پر سکینت نازل ہونے اور قریب کی فتح و غنیمت کی بشارت کا ذکر بھی آیا ہے، جو ان کے ایمان کی قبولیت کی کھلی دلیل ہے۔

بیعتِ رضوان کی فضیلت

بیعتِ رضوان کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کو اپنی طرف منسوب فرمایا؛ سورۃ الفتح (48:10) کا مفہوم ہے کہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ کتبِ حدیث میں اس دن شریک صحابہ کو اہلِ ایمان میں ممتاز درجہ دیا گیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کرنے والوں کو روئے زمین کے بہترین لوگ قرار دیا (صحیح بخاری و صحیح مسلم، فضائلِ حدیبیہ کے ابواب)۔ اسی موقع پر شریک ہونے والے ایک صحابی کے بارے میں مروی ہے کہ انہیں اس دن کی شرکت پر اس قدر فخر تھا کہ وہ اسے دنیاوی نعمتوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ بیعت کی یہ فضیلت دراصل اس اخلاص کا صلہ تھی کہ انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں بھی رسول کی آواز پر لبیک کہا۔

صلح کی شرائط پر اطاعت کا امتحان

صلح حدیبیہ کی شرائط لکھتے وقت کئی مواقع ایسے آئے جن میں صحابہ کے جذبات پر قابو پانا مشکل تھا؛ مثلاً معاہدے سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹانے کا مطالبہ، اور ابو جندل رضی اللہ عنہ کو معاہدے کے تحت واپس کرنا۔ اس موقع پر بعض صحابہ کے دلوں میں فطری بے چینی پیدا ہوئی، یہاں تک کہ قربانی کا حکم آنے پر بھی وہ کیفیتِ تردد میں رہے۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ نے خود قربانی کر کے احرام کھول دیا تو سب نے فوراً پیروی کی۔ احادیث میں اس واقعے کو اطاعت کے عظیم نمونے کے طور پر بیان کیا گیا ہے (صحیح بخاری،

کتاب الشروط و کتاب المغازی)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ حدیبیہ کی فضیلت صرف بیعت تک محدود نہیں؛ سخت نفسیاتی آزمائش میں رسول کی قیادت پر اعتماد بھی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ شدید جذبات کے باوجود انہوں نے آخر کار امر نبوی کو اپنے جذبات پر مقدم رکھا، اور یہی اصل کامیابی تھی۔

فتحِ مبین کی بشارت اور اس کے ثمرات

سورۃ الفتح کی پہلی آیت میں اس صلح کو "فتحاً مبیناً" کہا گیا۔ علماء نے اس کے اسباب یہ بیان کیے ہیں کہ صلح کے بعد پر امن ماحول میں دعوتِ اسلام تیزی سے پھیلی؛ خیبر فتح ہوا؛ ایمان لانے والوں کی تعداد میں وہ اضافہ ہوا جو گذشتہ برسوں میں نہ ہو سکا تھا؛ اور دو سال بعد فتح مکہ کی راہ ہموار ہوئی۔ حضرت زہری رحمہ اللہ جیسے محدثین کا قول کتب میں منقول ہے کہ اسلام میں اس صلح سے بڑی کوئی فتح نہیں ہوئی، کیونکہ اس کے بعد لوگ بے خوف ہو کر اسلام کی بات سننے اور قبول کرنے لگے۔ یہ ثمرات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اصحابِ حدیبیہ کی قربانی و اطاعت امت کے لیے دور رس برکتوں کا سبب بنی اور ان کی فضیلت محض اخروی نہیں بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی مسلم ہے۔

احادیث میں متفرق فضائل

احادیث میں اصحابِ حدیبیہ کے مزید کئی فضائل ملتے ہیں۔ ایک روایت کا مفہوم ہے کہ قیامت کے دن بھی اس جماعت کا ایک نمایاں مقام ہو گا اور ان کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہیں اپنے بعض شبہات پر جو جواب ملا اس کے بعد وہ زندگی بھر اس دن کی کوتاہی کے اندیشے سے صدقہ و عبادت میں اضافہ کرتے رہے، جو اس جماعت کے احترام کی گہرائی کو ظاہر کرتا ہے (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الفتح)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دانش مندانہ رائے بھی اسی واقعے کا حصہ ہے جس نے صحابہ کی نفسیاتی کیفیت کو بدل دیا؛ یوں اس فضیلت میں ام المومنین کا کردار بھی نمایاں رہا۔ اس کے علاوہ کتبِ سیر میں یہ بھی منقول ہے کہ بعد کے ادوار میں اصحابِ حدیبیہ کو معاشرے میں خصوصی احترام حاصل تھا اور لوگ ان سے برکت و دعا کے طالب ہوتے تھے۔

اس واقعے سے ملنے والے اسباق

اصحابِ حدیبیہ کی سیرت سے آج کے طالب علم کے لیے چند اسباق واضح ہیں۔ اول یہ کہ اصل فضیلت تعداد یا وسائل کی نہیں بلکہ خلوص و اطاعت کی ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ قیادت کے صبر آزما فیصلوں کو دور اندیشی سے سمجھنا چاہیے، ظاہری نقصان دہ شرائط درحقیقت عظیم فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ سوم یہ کہ اجتماعی نظم میں انفرادی جذبات کو نظم کے تابع رکھنا جماعت کی کامیابی کی کنجی ہے۔ چہارم یہ کہ اللہ کی رضا کی تلاش ہر دنیاوی فائدے سے بڑھ کر ہے۔ یہ اسباق اس بات کی دلیل ہیں کہ فضائل کا مطالعہ محض تاریخی معلومات نہیں بلکہ کردار سازی کا ذریعہ ہے، اور یہی اس موضوع کو اسائنمنٹ میں شامل کرنے کا مقصد ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اصحابِ حدیبیہ وہ جماعت ہے جن سے اللہ راضی ہوا، جن کے لیے احادیث میں جنت و مغفرت کی بشارتیں آئیں، جن کی بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا اور جن کی اطاعت کے نتیجے میں صلح حدیبیہ جیسی عظیم فتح کا دروازہ کھلا۔ ان کے فضائل قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہیں، اس لیے امت ان کا ذکر ہمیشہ عقیدت و احترام سے کرتی ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ ان فضائل کا مطالعہ سیرت کی کتب سے مزید تفصیل کے ساتھ کرے تاکہ محبت کے ساتھ معرفت بھی حاصل ہو۔

سوال نمبر 3

سوال نمبر 3: مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل پر مضمون قلمبند کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

تاریخِ اسلام کی دو عظیم جماعتوں کے نام مہاجرین اور انصار ہیں۔ مہاجرین وہ صحابہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے مکہ مکرمہ اور دیگر علاقوں سے اپنا وطن، گھر بار، مال و تجارت اور عزیز و اقارب چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ انصار مدینہ کے وہ مسلمان ہیں جنہوں نے سرورِ کائنات ﷺ اور مہاجر بھائیوں کو اپنے شہر میں خوش آمدید

کہا، اپنے گھروں و مالوں میں شریک کیا اور دین کی نصرت کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا؛ اسی نصرت کی وجہ سے ان کا نام ہی "انصار" (مددگار) پڑ گیا۔ قرآن و حدیث میں دونوں جماعتوں کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں اور امت کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں گروہ دین کی بنیادوں میں ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مضمون دونوں کے فضائل کو الگ الگ اور پھر مشترکہ حیثیت سے بیان کرے گا۔

مہاجرین کی تعریف اور ان کی قربانی کا پس منظر

ہجرت کوئی معمولی سفر نہ تھا۔ مکہ میں مسلمان تیرہ برس تک ظلم و ستم سہتے رہے؛ ان کی جائدادیں ضبط ہوئیں، تجارت تباہ ہوئی اور بعض کو شہادت تک کا سامنا کرنا پڑا۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم آیا تو انہوں نے ہر شے ایمان کی خاطر چھوڑ دی۔ مہاجرین میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں، اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ بھی اسی فضیلت میں شریک ہیں۔ سورۃ الحشر (59:8) میں ان کے بارے میں مفہوماً فرمایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے، اللہ کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ و رسول کی مدد کرتے ہیں؛ یہی لوگ سچے ہیں۔ "صادق" کا قرآنی لقب مہاجرین کی صداقت کی سب سے بڑی سند ہے۔

مہاجرین کے قرآنی فضائل

قرآن کریم میں مہاجرین کی فضیلت کئی مقامات پر آئی ہے۔ سورۃ التوبہ (9:100) میں "السابقون الاولون من المہاجرین والانصار" کہہ کر انہیں سبقت کا اعزاز دیا گیا اور ان کے لیے اللہ کی رضا و جنت کا اعلان ہوا۔ سورۃ الانفال (8:72-74) میں ہجرت و جہاد کرنے والوں کو سچا مومن قرار دیا گیا اور ان کے لیے مغفرت و باعزت رزق کی خبر دی گئی۔ سورۃ النحل (16:41) میں مفہوماً وعدہ ہے کہ ظلم سہنے کے بعد ہجرت کرنے والوں کو دنیا میں بھی اچھا ٹھکانہ ملے گا اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ سورۃ الحج (22:58) میں ہجرت کی راہ میں وفات پانے یا شہید ہونے والوں کے لیے اللہ کے ہاں بہترین رزق کا ذکر ہے۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ہجرت محض نقلِ مکانی نہیں بلکہ ایمان کی سب سے بڑی آزمائش و کامیابی تھی جس پر قرآن نے بار بار مہرِ تصدیق ثبت کی۔

مہاجرین کے حدیثی فضائل اور مثالیں

احادیث میں بھی مہاجرین کے فضائل نمایاں ہیں۔ ان کی قربانی کی جھلک ان واقعات میں دیکھی جاسکتی ہے کہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے مکہ سے نکلنے کے لیے اپنا سارا مال قریش کے حوالے کر دیا، تو اس پر خوش خبری سنائی گئی کہ یہ سودا نفع مند رہا (کتبِ سیر و تفسیر میں منقول)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات سے لے کر سفر کی ہر منزل تک جو خدمت کی وہ تاریخ کا روشن باب ہے۔ مہاجر خواتین میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی خدمات کی وجہ سے انہیں "ذات النطاقین" کا لقب ملا۔ مدینہ پہنچ کر مہاجرین نے تجارت و محنت سے دوبارہ اپنے پاؤں جمائے اور کبھی انصار پر بوجھ نہ بنے۔ ان کی یہ خود داری و محنت آج کے مسلمان کے لیے بھی نمونہ ہے کہ مومن حالات کا شکار نہیں بنتا بلکہ ایمان و محنت سے نیا راستہ بناتا ہے۔

انصار کی تعریف اور ایثار کا واقعہ

انصار کا تعلق مدینہ کے دو قبائل اوس و خزرج سے تھا۔ بیعتِ عقبہ کے ذریعے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت دی اور حفاظت کا عہد کیا۔ جب مہاجرین پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے مہاجر و انصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا۔ انصار نے اس رشتے کو نبھایا؛ اپنے باغات و مال کی تقسیم کی پیش کش کی، گھروں میں جگہ دی اور برسوں تک مہمان نوازی جاری رکھی۔ سورۃ الحشر (59:9) میں ان کی اس صفت کو یوں بیان کیا گیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگ دستی میں ہوں، اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا وہی کامیاب ہے۔ ایثار کا یہ معیار دنیا کی کسی اور جماعت میں اس وسعت کے ساتھ نہیں ملتا۔

انصار کے قرآنی و حدیثی فضائل

انصار کے فضائل میں احادیث بہت کثرت سے آئی ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایات کا مفہوم ہے کہ انصار سے محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ ایک روایت میں انصار کو اپنے باطنی اعتماد و راز داری کے حوالے سے خاص مقام دیا گیا کہ لوگ ظاہری لباس کی طرح اور انصار اس کے اندر کے قریبی حصے کی مانند ہیں (صحیح

بخاری، کتاب مناقب الانصار — مفہوم)۔ حجۃ الوداع کے موقع پر انصار کی وفاداری کا منظر، جب انہوں نے دنیا کے مال پر رسول کی صحبت کو ترجیح دی، حدیث میں تفصیل سے مذکور ہے۔ قرآن میں سورۃ التوبہ (9:117) میں بھی مفہوماً ذکر ہے کہ اللہ نے نبی، مہاجرین اور انصار کی طرف توجہ فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیروی کی۔ یہ سب نصوص انصار کو امت کے محسنِ اعظم کے مقام پر فائز کرتی ہیں۔

جدول: مہاجرین و انصار — تقابلی جائزہ

پہلو	مہاجرین	انصار
تعارف	وطن و مال چھوڑ کر مدینہ آئے	مدینہ کے اصل باشندے، مددگار
نمایاں قربانی	ہجرت: گھر، تجارت، رشتے دار چھوڑے	ایثار: مال و گھر میں شرکت
قرآنی لقب	صادقون (الحشر 59:8)	مفلحون — ایثار کرنے والے (الحشر 59:9)
نمایاں فضیلت	سبقت فی الایمان	نصرت و مواخات
مشترک اعزاز	اللہ کی رضا و جنت (التوبہ 9:100)	اللہ کی رضا و جنت (التوبہ 9:100)

مشترکہ فضائل اور تاریخی کردار

مہاجرین و انصار مل کر وہ پہلی اسلامی سوسائٹی بن گئے جس نے مدینہ میں ریاست، مسجد، بازار، عدل اور اخوت کے نمونے قائم کیے۔ بدر، احد، خندق اور دیگر غزوات میں دونوں شانہ بشانہ لڑے۔ خلافت کے قیام میں مشورہ و بیعت کا نظام ان ہی کے ذریعے چلا۔ قرآن کی جمع و تدوین، حدیث کی روایت اور دور دراز علاقوں تک دین کی اشاعت کا فریضہ بھی ان ہی دونوں جماعتوں کے افراد نے انجام دیا۔ سورۃ الانفال میں دونوں کو ایک دوسرے کا ولی و مددگار قرار دیا گیا ہے، اور یہی باہمی تعلق اسلامی اخوت کی بنیاد بنا۔ اسی لیے علماء

کہتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کا ذکر قرآن میں جس محبت سے آیا ہے، وہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے پیغام ہے کہ دین کی عمارت قربانی دینے والوں اور مدد کرنے والوں، دونوں سے مل کر کھڑی ہوتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مہاجرین نے چھوڑنے کا اور انصار نے بانٹنے کا وہ عظیم مظاہرہ کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ قرآن نے مہاجرین کو صادق اور انصار کو کامیاب قرار دیا اور دونوں کے لیے رضائے الٰہی کا اعلان فرمایا۔ احادیث نے انصار سے محبت کو ایمان کی نشانی اور مہاجرین کی سبقت کو امت کا اعزاز بتایا۔ آج کے مسلمان کے لیے ان دونوں جماعتوں کی سیرت کا سبق یہ ہے کہ دین کی خدمت میں کبھی ترکِ دنیا کی قربانی درکار ہوتی ہے اور کبھی ایثار و نصرت کی؛ دونوں صورتیں اللہ کے ہاں مقبول و ماجور ہیں۔

سوال نمبر 4

سوال نمبر 4: سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت و کردار پر مضمون تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور محبوب صاحبزادی، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بیٹی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ آپ کو "الزہراء" (روشن و تاباں) اور "البتول" جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی سیرت اسلامی خواتین کے لیے مکمل نمونہ ہے: بیٹی کی حیثیت سے اطاعت و خدمت، بیوی کی حیثیت سے سادہ و پر سکون گھریلو زندگی، ماں کی حیثیت سے عظیم تربیت، اور ایک مومنہ کی حیثیت سے عبادت، سخاوت و صبر۔ اس مضمون میں آپ کی زندگی کے نمایاں پہلو ترتیب وار بیان کیے جائیں گے۔ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ بعض تاریخی جزئیات میں روایات کے اختلاف کی صورت میں مشہور و معتبر کتبِ سیر کا مفہوم پیش کیا جائے گا۔

ولادت، خاندان اور بچپن

مشہور روایات کے مطابق آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں بعثت سے تقریباً پانچ سال قبل ہوئی؛ اس طرح آپ نے بچپن ہی سے نبوت کے گھر کی فضا، والدہ ماجدہ کی تربیت اور والدِ مکرم ﷺ کی شفقت میں پرورش پائی۔ آپ کا بچپن آسان نہ تھا؛ قریش کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر ہونے والے مظالم آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتیں۔ کتبِ سیر میں وہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ عقبہ بن ابی معیط نے حالتِ سجدہ میں آپ ﷺ پر اوجھڑی ڈال دی تو ننھی فاطمہ نے آ کر اسے ہٹایا اور ظالموں کو برا بھلا کہا۔ شعبِ ابی طالب کے محاصرے کے مشکل سال بھی آپ نے اہلِ خانہ کے ساتھ گزارے۔ ان حالات نے آپ کی شخصیت میں صبر، جرات اور حق کے ساتھ اٹل وابستگی پیدا کر دی جو عمر بھر آپ کے کردار کی پہچان رہی۔

ہجرت اور مدنی زندگی کا آغاز

ہجرت کے بعد آپ بھی مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ مدنی زندگی میں آپ کی شخصیت مزید نکھری۔ آپ مسجدِ نبوی کے قریب گھر میں مقیم رہیں، والدِ گرامی کی خدمت و دیکھ بھال آپ کی معمولات کا حصہ تھی۔ غزوۂ احد میں جب رسول اللہ ﷺ زخمی ہوئے تو آپ نے خود زخم دھوئے اور خون روکنے کے لیے چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی، جیسا کہ صحیح بخاری میں مفہوماً مذکور ہے۔ یہ واقعہ آپ کی ہمت، خدمت و عملی محبت کا روشن ثبوت ہے۔ اہلِ مدینہ میں آپ کا مقام نہایت بلند تھا اور ازواجِ مطہرات بھی آپ سے خاص محبت رکھتی تھیں۔ آپ کی زندگی میں سادگی اس قدر غالب تھی کہ دنیاوی زیب و زینت کی طرف آپ کی توجہ نہ ہونے کے برابر تھی۔

نکاح اور مثالی گھریلو زندگی

2 ہجری میں آپ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ یہ نکاح سادگی کی عظیم مثال تھا؛ مہر کی رقم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سے ادا ہوئی اور جہیز میں چند سادہ اشیاء شامل تھیں جن کا ذکر کتبِ سیر میں ملتا ہے۔ آپ کا گھر چھوٹا سا تھا مگر محبت، قناعت اور عبادت سے بھرا ہوا۔ گھر کے کام آپ خود انجام دیتیں؛ آٹا گوندھنا، چکی پیسنا اور پانی بھرنا آپ کے معمولات تھے، یہاں تک کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں پر نشان پڑ گئے۔ ایک مرتبہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خادم کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس کی جگہ

سوتے وقت پڑھنے والی تسبیحات (تسبیحِ فاطمہ) تعلیم فرمائیں اور بتایا کہ یہ خادم سے بہتر ہیں (صحیح بخاری و مسلم — مفہوم)۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ نبوی تربیت میں روحانی دولت کو مادی سہولت پر مقدم رکھا گیا۔

اولاد اور تربیت

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم جیسی اولاد عطا فرمائی؛ ایک صاحبزادے محسن کا بچپن میں انتقال منقول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو حسن و حسین سے غیر معمولی محبت تھی اور احادیث میں انہیں جنت کے نوجوانوں کے سردار قرار دیا گیا ہے (جامع ترمذی — مفہوم)۔ یہ دراصل سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تربیت کا ثمر تھا۔ آپ نے بچوں کو سچائی، سخاوت، عبادت اور اہلِ حق سے محبت و خدمت میں پروان چڑھایا۔ اہلِ بیت کی یہ نسل آگے چل کر امت کی رہنمائی کا مرکز بنی۔ سورۃ الدہر (76:8–9) کی آیات کے بارے میں مفسرین کی ایک مشہور روایت آپ کے گھر کے ایثار سے متعلق بیان کی جاتی ہے کہ اہلِ خانہ نے مسلسل روزوں کے دوران اپنا کھانا مسکین، یتیم اور قیدی کو دے دیا اور کہا کہ ہم اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں؛ اس روایت کو مفسرین نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔

عبادت، سخاوت اور اخلاق

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا سب سے روشن پہلو عبادت و تقویٰ تھا۔ آپ راتوں کو عبادت میں مشغول رہتیں، گھر والوں کے لیے دعائیں کرتیں اور ہمسایوں کو بھی دعا میں یاد رکھتیں۔ سخاوت میں آپ کا یہ حال تھا کہ گھر میں موجود قلیل سامان بھی ضرورت مند کو دے دیتیں۔ آپ کی گفتگو نرم، سچی اور بے تکلف ہوتی؛ پردے و حیا کا اہتمام مثالی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے تعلق کی کیفیت احادیث میں یوں آئی ہے کہ جب آپ تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر استقبال فرماتے، پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے؛ اور جب آپ ﷺ ان کے ہاں جاتے تو وہ بھی اسی طرح احترام کرتیں (سنن ابی داؤد و ترمذی — مفہوم)۔ احادیث میں آپ کو جنت کی عورتوں کی سردار اور رسول اللہ ﷺ کے جسم کا حصہ قرار دیا گیا ہے، اور یہ بھی کہ ان کی ناراضی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ناراضی سے جوڑا (صحیح بخاری و مسلم — مفہوم)۔

والدِ گرامی کی وفات، صبر اور آپ کی وفات

رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے ایام میں آپ سب سے زیادہ خدمت و قرب میں رہیں۔ وفاتِ نبوی کا صدمہ آپ کے لیے سب سے بڑا تھا۔ احادیث کا مفہوم ہے کہ مرضِ وفات میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کان میں کچھ باتیں بتائیں، پہلی بات پر آپ روئیں کہ وہ ان کی وفات کی خبر تھی، اور دوسری بات پر مسکرائیں کہ اہلِ بیت میں سب سے پہلے وہی آپ سے جاملیں گی اور وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی (صحیح بخاری و مسلم — مفہوم)۔ چنانچہ وفاتِ نبوی کے تقریباً چھ ماہ بعد، 11 ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی زندگی کل ملا کر کم و بیش انتیس سے تیس برس کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ اس مختصر عمر میں آپ نے کردار کا وہ بلند مینار قائم کیا جو قیامت تک روشن رہے گا۔

سیرت سے ملنے والے اسباق

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت سے کئی اسباق ملتے ہیں۔ والدین کی خدمت و اطاعت، شوہر کے ساتھ قناعت و رفاقت، اولاد کی دینی تربیت، سادگی و خودداری، عبادت سے تعلق، ضرورت مندوں پر خرچ، اور مصیبت میں صبر و استقامت — یہ سب آپ کی زندگی کے عنوانات ہیں۔ آج کے دور میں جب مادہ پرستی گھریلو زندگی کو متاثر کر رہی ہے، آپ کی سیرت یہ پیغام دیتی ہے کہ گھر کی اصل زینت مال نہیں بلکہ ایمان، محبت اور اخلاق ہیں۔ مسلمان خواتین کے لیے آپ کی زندگی اس لیے بھی مشعلِ راہ ہے کہ آپ نے ہر حیثیت — بیٹی، بیوی، ماں اور مومنہ — میں کمال کا نمونہ پیش کیا۔ اسی طرح مردوں کے لیے بھی اس سیرت میں والدین، ازواج اور اولاد کے حقوق کا عملی درس موجود ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت ایمان، خدمت، سادگی، ایثار و صبر کا جامع مجموعہ ہے۔ نبوی گھرانے کی تربیت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور حسنین کریمین کی پرورش نے آپ کی شخصیت کو اہلِ بیت کی عظمت کا مرکز بنا دیا۔ قرآن و حدیث میں آپ کے فضائل کی تصریحات اور امت کی اجماعی محبت اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کا مقام محض خاندانی نسبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے کردار و عمل کی وجہ سے بھی بلند ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ آپ کی سیرت کا مطالعہ کرے اور اپنی عملی زندگی میں اس کی جھلک پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

سوال نمبر 5

سوال نمبر 5: عشرہ مبشرہ سے مراد واضح کریں اور اسلام میں ان کی اہمیت و فضیلت پر نوٹ لکھیں۔ (20 نمبر)

تعارف

عشرہ مبشرہ صحابہ کرام کی اس ممتاز جماعت کو کہا جاتا ہے جن دس خوش نصیب صحابہ کو رسول اللہ ﷺ نے دنیا ہی میں ایک ہی مجلس و حدیث میں جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ "عشرہ" کے معنی دس اور "مبشرہ" کے معنی بشارت دیے گئے ہیں۔ یہ اصطلاح حدیث کی متنہ روایت کی بنیاد پر امت میں معروف ہوئی جو جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس جماعت میں چاروں خلفائے راشدین سمیت وہ صحابہ شامل ہیں جنہوں نے اسلام کے ابتدائی و نازک ترین دور میں ایمان قبول کیا، ہر قربانی دی اور دین کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ اس نوٹ میں پہلے اس حدیث و فہرست کا تعارف، پھر ان کی انفرادی و اجتماعی فضیلت اور آخر میں ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

حدیثِ عشرہ مبشرہ اور دس نام

مشہور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کے نام لے کر انہیں جنت کی بشارت دی (جامع ترمذی، ابواب المناقب؛ سنن ابی داؤد — مفہوم و فہرست)۔ یہ دس نام یہ ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم اجمعین۔ قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ جنت کی بشارت پانے والے صحابہ صرف یہی دس نہیں؛ دیگر صحابہ کو بھی مختلف مواقع پر بشارتیں ملیں، مثلاً سیدہ خدیجہ، سیدہ فاطمہ، حسنین کریمین اور اصحابِ بدر و حدیبیہ رضی اللہ عنہم۔ مگر ایک حدیث میں یکجا دس نام آنے کی وجہ سے یہ جماعت "عشرہ مبشرہ" کے خاص لقب سے مشہور ہوئی۔

جدول: عشرہ مبشرہ — نام، قبیلہ اور نمایاں خدمت

نمبر	نام	قبیلہ / نسبت	نمایاں خدمت
1	ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	قریش، بنو تیم	پہلے خلیفہ؛ فتنۂ ارتداد کا خاتمہ؛ جمعِ قرآن کا آغاز
2	عمر فاروق رضی اللہ عنہ	قریش، بنو عدی	دوسرے خلیفہ؛ عدل و انتظامی نظام؛ وسیع فتوحات
3	عثمان غنی رضی اللہ عنہ	قریش، بنو امیہ	تیسرے خلیفہ؛ جمع و توحیدِ مصحف؛ سخاوت
4	علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	قریش، بنو ہاشم	چوتھے خلیفہ؛ علم و قضا؛ شجاعت
5	طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ	قریش، بنو تیم	احد میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت؛ سخاوت
6	زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	قریش، بنو اسد	حواریِ رسول؛ تمام غزوات میں شرکت
7	عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	قریش، بنو زہرہ	کثیر انفاق؛ شوریٰ میں کلیدی کردار
8	سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	قریش، بنو زہرہ	فاتحِ قادسیہ؛ پہلے تیر انداز
9	سعید بن زید رضی اللہ عنہ	قریش، بنو عدی	سابقینِ اولین؛ والد زید بن عمرو اہلِ

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

توحید میں سے			
امینِ امت؛شام کی فتوحات کی قیادت	قریش،بنو فہر	ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	10

مشترکہ خصوصیات

عشرہ مبشرہ کی مشترکہ خصوصیات پر غور کیا جائے تو چند باتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ یہ سب قریش سے تعلق رکھتے تھے، سب نے اسلام کے اولین دور میں ایمان قبول کیا جب مسلمان ہونا شدید خطرات سے خالی نہ تھا، سب نے ہجرت کی فضیلت پائی، غزوۂ بدر سمیت بڑے معرکوں میں شریک رہے (بعض کے بارے میں شرکت کی تفصیل میں روایات کا معمولی اختلاف ہے، مگر اس دور کے تمام اہم مراحل میں ان کا کردار مسلم ہے)، اور سب رسول اللہ ﷺ کے نہایت قریبی و معتمد ساتھی تھے۔ چار خلفائے راشدین کے علاوہ باقی چھ بھی شوریٰ، قیادت، قضا و انفاق جیسے بڑے کاموں میں آگے آگے رہے۔ ان کی یہ اشتراکی خصوصیات بتاتی ہیں کہ جنت کی یہ اجتماعی بشارت ان کی مجموعی زندگیوں کی قبولیت کا اعلان تھی، اتفاقی فہرست نہیں۔

انفرادی فضائل کی جھلک

ہر ایک صحابی کی فضیلت پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں؛ یہاں مختصر اشارے کافی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صدیقیت و رفاقتِ غار و ہجرت کا اعزاز حاصل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حق و باطل میں امتیاز اور موافقاتِ قرآنی کی فضیلت ملی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذو النورین کا لقب اور حیا کی شہرت حاصل ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم، شجاعت اور اہلِ بیت میں مرکزیت حاصل رہی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے احد میں اپنے جسم پر ضربیں سہہ کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو "حواری" کا لقب ملا۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تجارت و انفاق نے مدینہ کی معیشت کو سہارا دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کی قبولیت مشہور ہے اور قادسیہ کی فتح ان کے نام ہے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا خاندانی پس منظر توحید پرستی کا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو امت کا امین قرار دیا گیا۔ یہ مختصر جھلک ان کی متنوع دینی خدمات کا احاطہ کرتی ہے۔

اسلام میں ان کی اہمیت

عشرہ مبشرہ کی اہمیت کئی پہلوؤں سے ہے۔ پہلا یہ کہ انہوں نے ریاستِ مدینہ کی بنیاد و استحکام میں قائدانہ کردار ادا کیا؛ خلافت کا پورا ابتدائی نظام ان ہی کے ہاتھوں چلا۔ دوسرا یہ کہ قرآن و سنت کی حفاظت و تدوین کا بڑا کام ان کے دور میں ہوا؛ جمعِ قرآن سے لے کر مصحف کی توحید تک کے مراحل انہی کی نگرانی میں مکمل ہوئے۔ تیسرا یہ کہ بیرونی فتوحات و دعوت کی توسیع میں ان کی قیادت نے اسلام کو جزیرہ عرب سے نکال کر اس وقت کی بڑی تہذیبوں تک پہنچایا۔ چوتھا یہ کہ ان کی سیرتیں قیادت کے مختلف نمونے پیش کرتی ہیں: عدل میں عمر، حیا و سخاوت میں عثمان، علم میں علی، امانت میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم۔ پانچواں یہ کہ اہلِ سنت کے عقیدے میں ان سب سے محبت و احترام ایمان کا حصہ سمجھا جاتا ہے اور ان کے درمیان فضیلت کی ترتیب بھی کتبِ عقائد میں بیان ہوئی ہے۔

بشارت کے باوجود عمل و خوفِ آخرت

اس جماعت کی سیرت کا نہایت سبق آموز پہلو یہ ہے کہ جنت کی بشارت کے باوجود ان کی زندگیاں خوفِ خدا، عبادت و محاسبے سے خالی نہ ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے عروج پر بھی اپنے محاسبے میں سخت تھے؛ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر دیکھ کر رو پڑتے؛ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آخر عمر تک اپنی ذمہ داریوں پر کانپتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بشارت کا مطلب عمل سے بے نیازی نہیں بلکہ شکر و اطاعت میں اضافہ ہے۔ علماء یہاں یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ بشارت پانے والوں کے بعد کے تمام اعمال اسی قبولیت کے تسلسل میں رہے اور امت ان کے خاتمے کو اسی بشارت کی روشنی میں دیکھتی ہے۔ یہ نکتہ طالب علم کے لیے اس لیے اہم ہے کہ وہ فضائل کو عمل کی تحریک سمجھے، محض بحث کا موضوع نہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ وہ دس عظیم صحابہ ہیں جنہیں ایک ہی حدیث میں نام لے کر جنت کی بشارت دی گئی۔ ان کی اہمیت اس لیے دوچند ہے کہ یہ صرف فضیلت یافتہ افراد نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کے بانی قائدین بھی ہیں جن کے ہاتھوں خلافت قائم ہوئی، قرآن محفوظ ہوا، فتوحات ہوئیں اور امت کو قیادت کے لازوال نمونے ملے۔ ان سے محبت

رکھنا، ان کی سیرت پڑھنا اور ان کے باہمی احترام و اجماعی فیصلوں سے رہنمائی لینا ہر مسلمان کے لیے سعادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مناقب کی کتب میں عشرہ مبشرہ کا باب ہمیشہ نمایاں مقام رکھتا ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com